التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد۶، شمارہ۱۸، اپریل تا ستمبر۲۰۱۲ء

علامہ سید احمد سعید کاظمی۔ ایک عہد ساز شخصیت

محمد طاہر صدیقی

Allama Sayyed Ahmad Saeed Kazimi is the great illustrious brave man in 20th century who sacrificed for the religion and the nation before the settlement of Pakistan and afterwards. He was one of vanguard leaders in all movements as the movement of settlement of Pakistan, the movement of the supreme efforts (Jihad for Kashmir, the movement to protect the finality of prophethood (of Muhammad), and the movement for establishment of Muhammads Law in Pakistan. He was a great Islamic scholar and unique orator, possessed leading qualities.

He also served as a Shaikh-ul-Hadith for eleven years in Jamiah Islamiah Bahawalpur from 1962 to 1974. He was the either the founder of most Muslim organizations or was the part of them, such as

Jama'at e Ahle sunnat, Jamiat Ulama-e-Pakistan, and Dawat-e-Islami, Anjuman Tulaba-e-Islam. He also wrote several books reveal important Islamic and national issues.

تقسیم ہند ۱۹۴۷ء سے قبل اور بعد جن قابل فخر شخصیات نے مسلمانان برصغیر پاک و ہند بالخصوص اہل پاکستان کے لئے دینی قومی اور ملی خدمات پیش کیں، علامہ سید احمد سعید کاظمی امروہی علیہ الرحمہ کا شمار انہیں عظیم لوگوں میں ہوتا ہے۔ آپ نہ صرف اپنے وقت کے نامور محدث، بے مثل فقیہ، عظیم محقق اور نباض عصر تھے بلکہ ایک ولی کامل، عظیم پیشوا اور بے باک قائد بھی تھے جو علم حدیث وتفسیر، ادب وفقہ، منطق وفلسفہ، تاریخ وتحقیق، کلام ومعانی میں ید طولیٰ رکھنے کا ساتھ ساتھ ایک بے مثل خطیب اور ادیب بھی تھا۔ کسی موضوع پر لب کشائی فرماتے تو علم کا ایک بحر بے کنار موجزن ہوجاتا، کسی عنوان پر قلم اٹھاتے تو دلائل قاہرہ کے انبار لگادیتے کہ شکوک وشبہات کی گھاٹیوں میں بھٹکنے والے منزل حقیقت تک رسائی پالیتے۔ آپ عشق رسول ﷺ کی دولت لازوال سے سرشار تھے، آپ کے فیض یافتگان میں تلامذہ کے علاوہ بے شمار مریدین بھی شامل ہیں۔ اپنے بیگانے سبھی آپ کے دینی، علمی، ملی کارناموں اور قائدانہ صلاحیتوں کے معترف بھی ہیں۔ اسی خداداد علمی قابلیت واستعداد کی بناپر ممتاز مفسر قرآن سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے ڈیڑھ سو جید علماء ودانشور اور عوام کے جم غفیر میں آپ کو "غزالی زماں رازی دوراں" کا خطاب دیا جو آپ کی ایسی پہچان بنا کہ آپ کے بعد کسی اور کے لیے استعمال نہ ہوا۔[۱]

حالات زندگی:

آپ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء کو امروہہ ضلع مرادآباد، بھارت میں سید مختار احمد کاظمی کے گھر پیدا ہوئے، آپ کا سلسلہ نسب ۳۶ واسطوں سے حضرت امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ سے جاملتا ہے۔ آپ ابھی بچپن ہی میں تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا یوں آپ کی پرورش وتربیت آپ کے بڑے بھائی علامہ سید خلیل احمد کاظمی محدث امروہی کے زیر نگرانی ہوئی جو

جید عالم دین، عظیم محدث اور صاحب نظر درویش تھے ۔ بعد ازاں آپ نے ابتداء سے انتہاء تک تمام تعلیم اپنے برادر محترم ہی سے حاصل کی، ۱۹۲۵ء میں مدرسہ محمدیہ امروہہ سے سند فراغت حاصل کی، دستار فضیلت کے موقع پر حضرت شاہ علی حسین اشرفی تشریف لائے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی، اس موقع پر علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور دیگر علماء کرام و مشائخ عظام بھی موجود تھے ۔ ع

علم شریعت کے ساتھ ساتھ علم طریقت وحقیقت کی منازل طے کرنے کے لیے آپ نے اپنے برادر اکبر استاد محترم سید خلیل احمد کاظمی کے ہاتھ پر بیعت کی جنہوں نے روحانی منازل بھی طے کروائیں اور اپنی خلافت سے بھی نوازا، فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ اپنے احباب سے ملاقات کے لیے لاہور تشریف لے گئے جہاں آپ حضرت سید دیدار علی شاہ صاحب کی زیارت سے مستفیض ہوئے اور حضرت مولانا سید ابوالبرکات اور مولانا سید ابو الحسنات قادری سے ملاقات ہوئی ، کچھ عرصہ جامعہ نعمانیہ میں تدریس کے فرائض سرانجام دیئے ۔ لاہور سے واپس امروہہ تشریف لے گئے ، کچھ عرصہ تک امروہہ کے مدرسہ محمدیہ حنفیہ میں محمد خلیل اللہ سے مجلس ہوتی رہی اور متعدد علمی مباحثے ہوتے رہے ، اسی دوران مشہور مناظر مولوی مرتضٰی در بھنگوی سے بھی کئی بار مناظرے ہوئے جن میں آپ اللہ کے فضل وکرم سے کامیاب و کامران رہے ۔ لاہور کے زمانہ قیام میں حکیم محمد جان عالم سے آپ کے دوستانہ تعلقات پیدا ہوگئے، انہی کے اصرار پر آپ دو سال کے لئے اوکاڑہ تشریف لے گئے ، اس زمانہ میں اوکاڑہ میں گستاخان رسول کی بڑی شورش تھی ، ہر طرف تنقیص رسالت کی مہم جاری تھی ، آپ نے وہاں جاکر مسلک اہل سنت کی تبلیغ اور درس وتدریس کے سلسلہ کو جاری کیا جس سے بہت جلد فضا بہتر ہوگئی ۔ ع

مدینۃ الاولیاء ملتان میں آمد:

ایک بار آپ حضرت غریب نواز رحمہ اللہ تعالیٰ کے عرس کی تقریبات کے سلسلہ میں ملتان تشریف لائے اور ایک سحر انگیز خطاب فرمایا جس سے حاضرین کے دل نور معرفت سے جگمگانے لگے ، خطاب سے متاثر ہوکر ملتان کے اکابر علماء و مشائخ نے سکونت اختیار کرنے کی دعوت دی جسے آپ نے قبول کرتے ہوئے ملتان کو اپنا ہمیشہ کے لیے مسکن بنالیا، اپنے مکان ہی

میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا اور ساتھ ہی مسجد فتح شیر میں درس قرآن اور مسجد حبیب شاہ میں درس حدیث کا آغاز کردیا ۱۹۳۵ء میں آپ مکمل طور پر ملتان میں سکونت پذیر ہوگئے ۔
ع

خدمات جلیلہ -:

جامعہ انوار العلوم کا قیام:

۱۹۴۳ء میں مخالفین اہلسنت نے آپ کی دینی کوششوں سے بوکھلا کر ایک جلسہ میں آپ پر کلہاڑیوں سے قاتلانہ حملہ کردیا، اس شدید واقعہ کے بعد آپ کو ملتان لایا گیا تو آپ نے تاریخی جملے ارشاد فرمائے: "موت وحیات تو رب العالمین کے ہاتھ میں ہے مجھے اس حملے کا دکھ یا موت کا خوف نہیں صرف اس کا ملال ہے کہ کوئی مدرسہ قائم نہ کرسکا جو میرے لیے صدقہ جاریہ ہوتا اور دین کا قلعہ بنتا"۔ دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے الفاظ نے وہ اثر ڈالا کہ ارادت مندوں نے مالی اعانت کی اور آپ کی اہلیہ نے اپنا زیور پیش کیا جسے فروخت کرکے آپ نے جامعہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم کے نام سے عظیم درسگاہ قائم فرمائی جس کا سنگ بنیاد حضرت موسیٰ پاک شہید کے سجادہ نشین حضرت سید صدرالدین شاہ علیہ الرحمہ نے ۱۹۴۴ء میں رکھا، آپ نے خود ہی اس میں درس نظامی کی تعلیم دینی شروع کردی۔ ع

تحریک پاکستان:

سب سے پہلے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی نے دوقومی نظریہ کی حمایت کی ، ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ انگریز اور ہندو چونکہ دونوں مسلمانوں کے دشمن ہیں لہٰذا ایک سے ترک موالات کرنا اور دوسرے کو گلے لگانا درست نہیں ، دونوں سے ترک موالات ہونا چاہیے اور اسی نظریے کو آگے بڑھنا چاہیے ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی گئی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کے خلیفۂ مجاز مفتی سید نعیم الدین مراد آبادی نے ۱۹۲۵ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس کی بنیاد رکھی اور اس کی تنظیم پورے برصغیر میں فرمائی ، زیادہ تر قائدین اہلسنت اور سنی علماء ومشائخ اس سے وابستہ تھے اور انہوں نے قیام پاکستان تک اس پلیٹ فارم سے مسلم لیگ کی حمایت میں شب روز کام کیا جبکہ بعض قائدین اہلسنت اور سنی علماء مشائخ براہ راست بھی

مسلم لیگ میں شامل تھے جیسے شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی، خلیفہ اعلیٰ حضرت مفتی برہان الحق جبلپوری، مولانا عبدالستار نیازی، مولانا ظہور الحسن درس، مخدوم سید چراغ علی شاہ، پیر عبد اللطیف زکوڑی، سید احمد سعید شاہ کاظمی وغیرہم ہے۔

سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ کا شمار تحریک پاکستان کے نامور مجاہدین میں ہوتا ہے، صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی، سید محمد محدث کچھوچھوی، امیر ملت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری، پیر آف مانکی شریف، شاہ عبد العلیم صدیقی والد ماجد مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا عبد الحامد بدایونی، غازی ملت علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، شیخ القرآن علامہ عبد الغفور ہزاروی اور دیگر علماء و مشائخ کے ساتھ آپ نے طول برصغیر کے طول و عرض کے دورے کیے اور بیشمار اجتماعات سے خطابات کرتے ہوئے پاکستان کو اسلامیان برصغیر کے لیے ناگزیر قرار دیا، جب حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تو وہاں بھی علماء کے عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے قیام پاکستان کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور نظریہ پاکستان کی اسلامی اہمیت کو روشناس کرانے کے لیے اخبارات میں متعدد مضامین رقم فرمائے ۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۰ء کی دہائی مسلمانان برصغیر کے لیے اہم تھی، اسی عشرہ میں آپ نے لاہور، ملتان اور دیگر ملحقہ علاقوں میں تحریک پاکستان کے لیے زبردست کام کیا آپ کی سحر انگیز شخصیت، دلفریب اور ولولہ انگیز بیانات نے چھ سات برسوں میں وہ کام کر دکھایا کہ کانگریس رہنماؤں اور ہم نواؤں کی نصف صدی کی جدوجہد دھری کی دھری رہ گئی۔ ے

مسلم لیگ میں شمولیت:

آپ نے اسلامیہ ہال لاہور میں منعقدہ جلسوں میں نہ صرف مسلم لیگ کی وکالت کرتے ہوئے مخالفین پاکستان کا مقابلہ کیا بلکہ خود بھی ۱۹۳۵ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور دوقومی نظریے کا تحفظ کرتے ہوئے "پاکستان کی ضرورت کیوں" کے عنوان سے سندھ اور پنجاب کے مختلف شہروں میں تقاریر کیں۔ ملتان اور اس کے گرد و نواح میں تحریک پاکستان کی مخالف تحریک مجلس احرار کا خاصا زور تھا اس جماعت کے رہنما سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی خطابت نے یہاں کے نوجوانوں کو مسلم لیگ کے خلاف منظم کیا اور اس کا اتنا زور بندھا کہ لاہور سے

شورش کاشمیری کو ملتان کے جلسوں میں خصوصی مقرر کے طور پر بار بار بلایا جانے لگا، ان حالات میں مسلم لیگ کے ترجمان کی حیثیت سے آپ کی ایمان افروز تقاریر نے مخالفین مسلم لیگ کی کوششوں پر پانی پھیر دیا بالآخر آپ اور دوسرے علماء و مشائخ کی قربانیوں کا ثمر قیام پاکستان کی صورت میں صبح آزادی کی تنویر بن گیا۔ ۵

جمعیت علماء پاکستان کا قیام:

قیام پاکستان کے بعد بھی آپ نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا لیکن قائد اعظم کی وفات کے بعد جب مسلم لیگ اصل مقصد سے منحرف ہوگئی تو آپ نے فوراً علیحدگی اختیار لی۔ علماء و مشائخ اہلسنت مملکت خداداد بنانے کے بعد اپنی خانقاہوں میں جاکر جلوہ فگن ہوگئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم لیگ کی قیادت نے علماء میں سے حامیان پاکستان کے بجائے مخالفین پاکستان کو دستور ساز اور دوسرے اداروں میں جگہ دی، مسلم لیگ پر جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا قبضہ ہوگیا جنہیں راہ راست پر لانا یا ان سے نفاذ اسلام کی توقع کرنا فہم و فراست سے دور تھا، ان حالات کے پیش نظر آپ نے ۲۶، ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء میں جامعہ انوار العلوم ملتان میں علماء و مشائخ اہلسنت کا اجلاس بلایا جس میں "جمعیت علماء پاکستان" کی بنیاد رکھی گئی مولانا ابو الحسنات محمد احمد قادری امیر اور علامہ سید احمد سعید کاظمی ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے جبکہ مولانا عبدالغفور ہزاروی، عبدالحامد بدایونی، مفتی صاحبداد خان اور خواجہ قمر الدین سیالوی نائب امیر قرار پائے، نائب ناظم اعلیٰ کی ذمہ داریاں مولانا غلام معین الدین نعیمی اور مرتضیٰ خان میکش کو سونپی گئیں، مولانا اکبر علی خان مرکزی ناظم اطلاعات چنے گئے، اس انتخاب کے بعد جمعیت علماء پاکستان نے تبلیغی سرگرمیوں کو تیز کردیا۔ ے

جہاد کشمیر:

۱۹۴۸ء کے اوائل میں جب اہل کشمیر نے حق خود ارادیت کے حصول کی خاطر بھارت کے خلاف جہاد کا آغاز کیا تو پاکستانی رضا کار بھی کشمیری بھائیوں کے شانہ بشانہ لڑنے کے لیے محاذ پر پہنچ گئے، تمام علماء و مشائخ اہلسنت اس بات پر متفق تھے کہ بھارت نے کشمیر پر ناجائز قبضہ کیا ہے اور اس کے خلاف کشمیری اور پاکستانی مجاہدین نے جس جنگ کا آغاز کیا ہے

وہ جہاد ہے لیکن مولانا مودودی کا کہنا یہ تھا کہ پاکستان کے باشندوں کے لیے اس میں حصہ لینا جائز نہیں، ان حالات میں جمعیت علماء پاکستان سے وابستہ علماء و مشائخ کیسے خاموش رہ سکتے تھے چنانچہ جمعیت علماء پاکستان کی جانب سے اسلحہ بھیجیں اور مجاہدین کی ضرورت کا ہر قسم کا سامان مہیا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ آپ نے ۷ نومبر ۱۹۴۸ء کو مجاہدین کشمیر کے موضوع پر موچی گیٹ لاہور میں ایک عظیم الشان کانفرنس سے خطاب کیا نیز ۲۸ نومبر ۱۹۴۸ء کو گجرات میں عظیم الشان جلسے میں اس وقت کے صدر آزاد کشمیر کیپٹن عبدالرشید کی صدارت میں آپ نے یہ سب کچھ پیش کیا، انہوں نے آپ کو خراج عقیدت پیش کیا اور مودودی صاحب کے نظریات پر تنقید کی کیونکہ وہ جنگ کشمیر کو حرام قرار دے چکے تھے۔[۱۰]

دستور پاکستان:

جمعیت علماء پاکستان کے قیام کے بعد جمعیت علماء پاکستان نے عوام سے رابطے کے لیے پروگرام تشکیل دیئے اور ۷ مئی ۱۹۴۸ء کو جمعیت نے پورے ملک میں یوم شریعت منایا۔ پیر محمد افضل شاہ سجادہ نشین جلالپور شریف کی جمعیت مشائخ نے بھی یوم شریعت منانے میں بھرپور تعاون کیا، قرار داد اور مطالبات کی کاپیاں گورنر جنرل پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور وزیر اعظم لیاقت علی خان کو ارسال کی گئیں۔ قائداعظم کے وصال سے کچھ عرصہ قبل شاہ عبدالعلیم صدیقی جب بیرونی دوروں سے واپس تشریف لائے تو کراچی میں آپ کی صدارت میں ایک اہم میٹنگ ہوئی جس میں علامہ عبدالحامد بدایونی، علامہ سید ابوالحسنات قادری، غزالی زماں سید احمد سعید کاظمی، مفتی صاحبداد خان، خواجہ قمرالدین سیالوی، علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی، سید محمد محدث کچھوچھوی، مولانا محمد عمر نعیمی اور مولانا غلام معین الدین نعیمی شامل تھے۔ اجلاس میں پاکستان کے لیے اسلامی دستور کا مسودہ تیار کیا گیا اور پھر مبلغ اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی کی قیادت میں ایک اعلیٰ سطحی وفد نے گورنر جنرل آف پاکستان قائداعظم محمد علی جناح سے تین گھنٹے طویل ملاقات کرکے دستور کا مسودہ انہیں پیش کیا۔ قائداعظم نے وفد کو یقین دلایا کہ میں یہ مسودہ اسمبلی میں پیش کروں گا مگر افسوس کہ آپ کی زندگی نے وفا نہ کی، یوں یہ مسودہ اسمبلی میں پیش نہ ہوسکا۔ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی نے علماء سے ملاقاتیں کرکے مزید مشورے کئے اور

یہ ذمہ داری قبول کرلی کہ میں بہت جلد اس مسودہ کو آئینی زبان میں تحریر کرکے پیش کروں گا مگر ۲۳ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو وہ بھی مرادآباد میں انتقال کرگئے، اس طرح یہ کام مزید موخر ہوگیا۔[۱۱]

لیکن اکابرین نے اپنی کوششیں ختم نہیں کیں بلکہ دستور سازی کے سلسلہ میں مصروف عمل رہے اور جب ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی نے قرارداد مقاصد منظور کی تو اس وقت جمعیت کے رہنما قاری احمد پیلی بھیتی نے اسمبلی کے اجلاس میں مبصر کی حیثیت سے شرکت کی اور قرارداد مقاصد کی حمایت میں رائے دی اس وقت جمعیت کے قائد مولانا ابوالحسنات قادری نے ایک وفد کے ساتھ کراچی جاکر وزیر اعظم لیاقت علی خان سے ملاقات کی اور اسلامی دستور کے متعلق قرارداد کے اعلان پر آمادہ کیا اور پھر علماء اہلسنت کی کوششوں سے ۱۹۵۰ء میں قرارداد مقاصد کا اعلان کردیا گیا اور پاکستان کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" تجویز ہوا۔ ۱۰، ۱۱، ۱۲ دسمبر ۱۹۵۵ء موچی دروازہ لاہور میں مرکزی جمعیت علماء پاکستان نے علامہ ابوالحسنات صاحب کی صدارت میں عظیم الشان کانفرنس منعقد کی جس میں اسلامی قانون کے نفاذ کا مطالبہ کیا نیز پاکستان کو آئینی طور پر اسلامی جمہوریہ قرار دیا جائے اور یہ بھی اعلان کیا جائے کہ صدر مملکت مسلمان ہوگا۔ علامہ سید احمد سعید کاظمی نے کانفرنس میں قرارداد کے ذریعے کہا کہ مرکزی جمعیت کا یہ اجتماع مطالبہ کرتا ہے کہ فوری طور پر قرآن سنت کے مطابق قانون بنایا جائے اور اس کے لیے قرارداد مقاصد کو پیش نظر رکھا جائے، ملک کا سربراہ مسلمان ہوگا اور قانون سازی میں فقہ حنفی کے مطابق اقدامات کئے جائیں کیونکہ پاکستان کی اکثریت حنفی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔[۱۲]

۱۹۵۵ء میں آپ جمعیت علماء پاکستان کے نائب صدر منتخب ہوئے، ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو نیا دستور بنایا گیا۔ ۱۹۶۶ء میں صاحبزادہ سید فیض الحسن کی صدارت میں جمعیت کے الیکشن میں آپ ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۸ء تک ملک پر ضیاء الحق کی حکومت رہی جو مارشل لاء کے تحت برسر اقتدار آئے ۱۹۸۶ء میں جب سیاسی جماعتوں سے پابندی اٹھائی گئی تو جمعیت نے سیاسی جلسے کئے اس وقت آپ نے پیرانہ سالی اور شدید علالت کے باوجود ۱۸ اپریل ۱۹۸۶ء کو قلعہ کہنہ قاسم باغ میں جے یو پی کے جلسہ عام میں صدارت فرمائی اور خطاب بھی فرمایا۔[۱۳]

جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں بطور شیخ الحدیث:

۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۴ء تک گیارہ سال تک جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، طلباء میں آپ کی مقبولیت کو دیکھ کر مخالفین نے آپ کو اس منصب سے ہٹانے لیے ہر حربہ استعمال کیا۔ کبھی آپ کو ناکام کرنے لئے مخالف اساتذہ و طلباء ملکر کوشش کرتے اور دوران درس حدیث سوالات کی بوچھاڑ کردی جاتی، کبھی اسمبلیوں میں آپ کے خلاف سیاسی ریشہ دوانیوں کا سہارا لیا گیا حتیٰ کہ گورنر مغربی پاکستان امیر محمد خان جب بہاولپور آئے تو ان کے سامنے آپ کے مخالفین نے درخواستوں کا پلندہ رکھ دیا جس میں آپ پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے مگر آپ کی علمی استعداد کی بدولت فریق مخالف کو ہر بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ۱۴

تحریک ختم نبوت:

مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوے نبوت کے ساتھ ہی اہل اسلام نے اس کا شدید زبانی وقلمی رد شروع کر دیا بالخصوص اتر پردیش میں امام احمد رضا خان بریلوی، ان کے بڑے صاحبزادے مولانا حامد رضا خان، مشرقی پنجاب میں مولانا نواب الدین مدراسی، مغربی پنجاب میں مولانا غلام قادر بھیروی اور شمالی پنجاب میں پیر سید مہر علی شاہ صاحب۔ سید احمد سعید کاظمی امروہہ سے پڑھ کر نئے نئے فارغ ہوئے تھے اور اسلام کے پر جوش مبلغ تھے۔ اسی دور میں ایک ہندو پنڈت سے "ساتت جنم" کے موضوع پر مناظرہ جیت کر شہرت حاصل کر چکے تھے۔ ایک روز آپ قادیان جا پہنچے اور قادیانی مبلغین سے مناظرہ کر کے انہیں ان کے گھر میں شکست سے دوچار فرمایا۔ ۱۵

قیام پاکستان کے بعد قانونی محاذ پر تحفظ ختم نبوت کی جنگ آپ ہی نے شروع کی جس وقت آپ پاکستان مسلم لیگ صوبہ پنجاب کی مجلس عاملہ کے رکن تھے ۱۹۵۲ء کو مسلم لیگ صوبائی کونسل کے اجلاس میں آپ نے یہ مسئلہ اٹھایا اور بڑی شد ومد کے ساتھ یہ درخواست منظور کروائی کہ قادیانیوں کو کافر و مرتد قرار دیا جائے اور انہیں کلیدی عہدوں سے برطرف کیا جائے، یہی وہ نقطۂ آغاز تھا جس کی بنا پر اہل سیاست وحکومت تک یہ موثر آواز پہنچی اور بالآخر ۲۲ سال کی جدوجہد کے بعد ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے کافر اور مرتد قرار دیا۔

قومی اسمبلی میں یہ تحریک مولانا شاہ احمد نورانی نے پیش کی اور بھاری اکثریت سے منظور کرائی البتہ دیوبندی فرقے کے دو ممبران اسمبلی غلام غوث ہزاروی اور عبد الحکیم نے اس قرارداد کی تائید وحمایت نہ کی۔ ۱۶

جسٹس منیر انکوائری رپورٹ صفحہ ۹۷ میں یہ تحریر موجود ہے کہ قیام پاکستان کے بعد قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی سب سے پہلی قرارداد مسلم لیگ کی صوبائی کونسل کے اجلاس میں علامہ سید احمد سعید کاظمی صاحب نے پیش کی ۱۹۵۲ء میں منعقد ہونے والے مسلم لیگ کے کسی اجلاس میں جو قرارداد پیش کی گئی اس قرارداد میں مسلم لیگی اکابرین سے کہا گیا تھا کہ وہ قادیانیت کے مضمرات اور ان کی اسلام دشمن کاوشوں سے باخبر رہیں اور انگریز کے پیدا کئے ہوئے اس فتنے کے استیصال کے لئے تمام صلاحیتیں بروئے کار لائیں۔ اس قرارداد کا مقصد یہ تھا کہ اگر پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کرنا ہے تو ہمیں عظمت رسول ﷺ کو ہر پہلو سے مقدم رکھنا ہوگا، اسلام حضور ﷺ کی ذات اقدس سے عبارت ہے اور آپ ﷺ کی ختم نبوت کا مسئلہ حل کئے بغیر ملک میں نظام مصطفیٰ کا نفاذ ممکن نہیں ہے۔ ۱۹۵۳ء میں جب تحریک تحفظ ختم نبوت نے زور پکڑا اور اس میں بہت سے مسلمانوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے تو سید احمد سعید کاظمی صاحب اس وقت جمعیت علماء پاکستان کے ناظم اعلیٰ تھے اور علامہ سید ابو الحسنات اس کے صدر تھے اس موقع مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے لیے ایک "متحدہ مجلس عمل" تشکیل دی گئی جس کے امیر متفقہ طور پر علامہ سید ابو الحسنات علیہ الرحمہ چنے گئے، اس تنظیم نے وہ نکات بطور قرارداد منظور کر لیے جو قبلہ غزالی زماں اس سے قبل مسلم لیگ کی کونسل کے اجلاس میں پیش کر چکے تھے جن میں دیگر مطالبات کے ساتھ یہ تین اہم مطالبات بھی شامل تھے: (۱) مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ (۲) مرزا ظفر اللہ قادیانی کو وزیر خارجہ کے عہدے سے برطرف کیا جائے۔ (۳) قادیانیوں کو ملک کے تمام کلیدی اور اہم عہدوں سے برطرف کیا جائے۔ ۱۷

جماعت اہلسنت:

علامہ کاظمی صاحب جماعت اہلسنت کی سربراہی کے امتحان سے بھی گزرے، اس کا

قیام ۱۹۷۰ء کے انتخابات سے پہلے عمل میں لایا گیا، علامہ محمد شفیع اوکاڑوی اس کے پہلے امیر تھے۔ علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری، علامہ شاہ احمد نورانی، مفتی سعادت علی قادری، مفتی ظفر علی نعمانی بھی جماعت اہلسنت کے اکابرین میں سے تھے۔ ۱۹۷۰ء میں کراچی کے انتخابات جمعیت علماء پاکستان نے بڑی حد تک جماعت اہلسنت ہی کی بدولت جیتے۔ ۱۹۷۷ء میں ضیاء الحق کی دینی جماعتوں پر پابندی کے بعد جمعیت علماء پاکستان کے وابستگان نے جماعت اہلسنت سے پلیٹ فارم سے کام کیا۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۲ء کے انتخابات میں آپ جماعت اہلسنت کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ ۱۹۸۶ء میں آپ جماعت کی سرگرمیوں سے علیحدہ ہو چکے تھے، یوں آپ نے ساری زندگی جمعیت علماء پاکستان اور جماعت اہلسنت میں گزاردی۔۱۸

متذکرہ بالا خدمات کے علاوہ آپ نے مدارس و جامعات اہلسنت کے وفاق "تنظیم المدارس"، اہلسنت و جماعت کی عالمی تبلیغی تنظیم "دعوت اسلامی" اور طلبہ اہل سنت کی تنظیم "انجمن طلبہ اسلام" کی بھی سرپرستی فرمائی، ان کے اجتماعات اور اجلاسوں میں شرکت فرما کر خطبات بھی فرمائے اور ملک کے طول وعرض میں ان تنظیموں کو متعارف کروایا جو کہ آج دینی، قومی و ملی خدمات میں مصروف عمل ہیں۔۱۹

وفات:

۲۵ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء کو افطاری کے بعد وضو کراتے آپ کو لیجایا جارہا تھا تو آپ پیچھے کی طرف تشریف لے آئے، جب دیکھا گیا تو دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر چکے تھے، نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے علامہ سید مظہر سعید کاظمی نے پڑھائی جبکہ دعا قائد ملت اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانی نے فرمائی۔ آپ کی تدفین سید معصوم شاہ (ملتان) کے مزار مبارک کے احاطے میں ہوئی، یہ رمضان المبارک کی شب تھی اور اگلی صبح جمعۃ الوداع تھا۔ ۲۰

تصنیفی خدمات:

تدریس وتقریر، آستانہ و خانگی مصروفیات کے باوجود آپ نے تحریر وتصنیف کا سلسلہ جاری رکھا اور دینی، قومی وملی موضوعات پر قابل قدر علمی سرمایہ سپرد قلم کیا۔ زمانہ طالب علمی ہی

میں امتناع کذب کے موضوع پر ایک رسالہ "تسبیح الرحمن عن الکذب والنقصان" تالیف کیا، قوالی سننے کے جواز پر "مقالۃ النزاع عن مسئلۃ السماع"، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ناظر ہونے پر "تسکین الخواطر" (دو حصے)، حضور ﷺ کی حیات مبارکہ پر "حیات النبی"، امام جلال الدین سیوطی کے رسالہ "انباء الاذکیا" کا ترجمہ، حضور ﷺ کے سفر معراج پر "معراج النبی"، میلاد پر "میلاد النبی"، علم غیب پر "تقریر منیر"، حدیث پر "حجیت حدیث"، رد عیسائیت پر "اسلام اور عیسائیت"، مولانا مودودی کے بارے میں "مکالمہ کاظمی و مودودی"، قربانی پر "تحقیق قربانی"، حضور ﷺ کے سایہ کے بارے میں "مسئلہ ظل النبی پر تحقیقی نظر اور دلائل نفی وثبات کا جائزہ"، مسلک اہلسنت اور مسلک دیوبند کی وضاحت کے لیے "الحق المبین"، "تفضیل جبرائیل پر التحریر" اور پھر اس کی شرح "التقریر"، مولانا قاسم نانوتوی کی بعض عبارات کے رد میں "التبشیر برد التحذیر" تحریر فرمائی۔ "اسلام اور سوشلزم"، "طلباء کا اسلامی کردار"، قوالی سننے کے جواز پر ایک اور رسالہ تصنیف فرمایا۔ ۲۱

مذکورہ بالا کتب و رسائل کے علاوہ ترجمہ قرآن "البیان" اور پہلے پارہ کی تفسیر "التبیان" کے نام سے تحریر فرمائی۔۲۲ مقالات کاظمی جلد اول میں ضرورت توحید، ضرورت نبوت، ختم نبوت، حدیث کے بارے میں تفصیلی بیان کے بعد سائنس اور مذہب، قرآن اور آسمان، بشری زندگی، تعلیم میں دینی مدارس کا حصہ اور ان کی افادیت، فتویٰ حنفی، کتاب التراویح پر تحقیقی مقالات رقم فرمائے۔۲۳ دوسری جلد میں دستور پاکستان، جمعیت علماء پاکستان کے موضوعات زیر بحث ہیں۔۲۴ جبکہ مقالات کاظمی جلد سوم میں فتویٰ نبی کی تحقیق، عصمت انبیاء، فتاویٰ عالمگیری کا پس منظر، اسلام میں عورت کی دیت، رجم اسلامی سزا ہے، فلسفہ نماز کے موضوعات پر مدلل گفتگو فرمائی ہے۔۲۵

حوالہ جات

(۱) حافظ امانت علی سعیدی ،حیات غزالیِ زماں،ادارہ نوید سحر لاہور ۲۰۱۰ء ، صفحہ: ۸۹

(۲) ایضاً،صفحہ: ۲۴_۲۹

(۳) علامہ غلام رسول سعیدی ،تعارف مصنف از مقالات کاظمی ،کاظمی پبلی کیشنز ملتان ۲۰۰۲ء ، جلد اول صفحہ: ۱۲،۱۳

(۴) حافظ امانت علی سعیدی ،حیات غزالیِ زماں،ادارہ نوید سحر لاہور ۲۰۱۰ء ، صفحہ: ۴۳

(۵) ایضاً،صفحہ: ۴۴ (۶) ایضاً،صفحہ: ۵۵

(۷) ایضاً،صفحہ: ۵۶ (۸) ایضاً،صفحہ: ۵۲،۵۷

(۹) ایضاً،صفحہ: ۵۹،۶۰ (۱۰) ایضاً،صفحہ: ۶۲

(۱۱) ایضاً،صفحہ: ۷۵ (۱۲) ایضاً،صفحہ: ۷۶

(۱۳) ایضاً،صفحہ: ۷۸،۷۹ (۱۴) ایضاً،صفحہ: ۱۲۷_۱۳۱

(۱۵) سراج الدین سعیدی ،شخصیات اسلام،ادارہ نوید سحر لاہور ۲۰۱۰ء ، صفحہ: ۱۵۴

(۱۶) ایضاً،صفحہ: ۱۵۵

(۱۷) ایضاً،صفحہ: ۱۵۷_۱۶۶

(۱۸) حافظ امانت علی سعیدی ،حیات غزالیِ زماں،ادارہ نوید سحر لاہور ۲۰۱۰ء ، صفحہ: ۸۰_۸۱

(۱۹) ایضاً،صفحہ: ۸۲_۸۵

(۲۰) ایضاً،صفحہ: ۱۵۷_۱۶۶

(۲۱) علامہ غلام رسول سعیدی ،تعارف مصنف از مقالات کاظمی ،کاظمی پبلی کیشنز ملتان ۲۰۰۲ء ، جلد اول صفحہ: ۲۷،۲۸

(۲۲) حافظ امانت علی سعیدی ،حیات غزالیِ زماں،ادارہ نوید سحر لاہور ۲۰۱۰ء ، صفحہ:

(۲۳) علامہ غلام رسول سعیدی ،تعارف مصنف از مقالات کاظمی ،کاظمی پبلی کیشنز ملتان ۲۰۰۲ء ، جلد اول صفحہ: ۳،۴

(۲۴) ایضاً،حصہ دوم صفحہ: ۳

(۲۵) ایضاً،حصہ سوم صفحہ: ۳_۹

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۲۰، شمارہ ۸۰ اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء

محمد اسد (Former: Leopold Wesis)

سید محمد کاشف

Present article in hand is about one of the great personalities in the series of renaissance of Muslim ummah, Muhammad Asad no doubt fits in that list. He was a Jewish converted Muslim belonging to a Rabbi Family of Austria Lwow. Reason behind his accepting Islam was his infuence with the culture of Arab society though it was on declining path. Finally he gets inspired and fully intended to accept Islam as a religion, without having any confusion and hesitation. For this he paid high cost of trailing all his relations including his parents but nothing could make his decisionchange.

When he was on his journey to Asian's countries, he visited Indo-Pak subcontinent, and became a part of them. Allama Iqbal was the first

man who convinced him to stay there. All famous religious personalities like Shibli Nomani, Maulana Mawdoodi etc admired his intelligence and sincerity with Islam. He played a vital role in Pakistan's movement. he wrote a great piece of work for Muslim Ummah during this movement. He also published a magazine with the title of Arafat.

He was the first Pakistani, who was issued a Pakistani passport. Thoroughout his life, he tried tirelessly for the wellbeing of Pakistan, but unfortunately he was not only suspended to work for Pakistan, but was also erased from the whole history of Pakistan's movement intentionally. Last but not the least he set an example for whole Muslims youth that only a person could do more than a group with having firm believe in religion and with trust on Allah.

ابتدائیہ

احیائے اسلام یا اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے سلسلے میں گذشتہ چند صدیوں میں بہت سی تحریکیں اور شخصیتیں ابھری ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی کو بھی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی ۔اس ناکامی کے اسباب مختلف ہیں مگر بنیادی سبب تقلید محض کی فکر ہے۔بہر حال قابل قدر کامیابی نہ حاصل ہونے کے باوجود ان سب نے اپنے ایسے نقوش چھوڑے ہیں جنہیں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔انہی شخصیات میں بیسویں صدی کے محمد اسد بھی ہیں۔جو کہ ایک یہودی ربی کے گھر پیدا ہوئے مگر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ان کے قبول اسلام کی بنیادی وجہ عرب اسلامی تہذیب بنی باوجود اپنی خستہ حالی اور کھوکھلے پن کے۔اور اس تہذیب نے مغرب کے پروردہ کو بغاوت پر آمادہ کیا اور اپنی ہی تہذیب سے روگردانی کرکے کسی اور ہی تہذیب کا علمدار بنادیا۔

محمد اسد نے اسلام اور مسلمانوں کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔اس مطالعہ کا موقع انھیں اپنی صحافتی زندگی میں عرب مسلم ممالک میں ٹھہرنے کے سبب حاصل ہوا۔اور مسلم تہذیب کی ہم آہنگی جس کی بنیاد وطن ،رنگ ونسل پر نہیں ہے بلکہ فکری بنیاد پر ہے ،اس ہم آہنگی کی بنیاد نے یہودی ربی کے بیٹے پر اسلام کے دروا کردیئے اور اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

اپنی سیاحتی زندگی میں سعودی عرب میں پانچ سال گزارنے کے بعد محمد اسد نے ہندوستان ،چین وغیرہ کے دورے کا آغاز کیا اور جب وہ ہندوستان پہنچے تو اس وقت ہندوستان کی فضاء میں تحریک آزادی کی گونج جاری تھی۔ان حالات میں شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال نے ان سے ہندوستان میں ہی قیام کی درخواست کی۔اور ان کی اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے محمد اسد یہیں کے ہوگئے اور مرتے دم تک پاکستانی کی حیثیت سے زیست کا سفر مکمل کیا۔

محمد اسد نے گو کہ ہر لحاظ سے ایک مصلح ،مجتہد،اور ملی لیڈر کا کردار ادا کیا،لیکن وہ ان میدانوں میں خاطر خواہ کامیاب نہ ہوسکے، جس کی ایک وجہ تو زبان کا فرق Communication Gap تھا۔ان کی تمام علمی کتب انگریزی زبان میں تھیں جس سے مسلمانوں کی اکثریت ناواقف تھی۔پھر ایک وجہ مسلمانان ہند کا عمومی رویہ تشکیک کہ جس نے انھیں پذیرائی نہ حاصل ہونے دی۔الغرض دیگر علمی وعملی شخصیات کی طرح پاکستان میں اور بالخصوص تحریک پاکستان کے ضمن میں (Intentionaly)ان کی شخصیت کو گوشہ گمنامی میں پہنچادیا ،تاکہ مسلمان نہ تو ان کے افکار سے واقف ہوسکیں اور نہ ہی یہ سمجھ سکیں کہ آخر اس امت کے زوال کے اسباب کیا ہیں ۔

سوانح:

نومسلم محمد اسد(سابق لیوپولڈوائس)بیسویں صدی (1900) کے آغاز ہی میں آسٹرو ہنگرین ایمپائر کے ایک دور افتادہ علاقہ میں پیدا ہوئے اور طویل عمر پاکر اسی صدی کی آخری دہائی میں سپین کے ایک چھوٹے سے شہر(غرناطہ) میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے (20th Febeurary,1992)۔یوں دیکھیں تو محمد اسد کی ذات قریب قریب پوری ایک صدی کا آئینہ ہے،جس میں اس دور کے نمایاں فکری رجحانات،علمی سطح پر مشرق ومغرب کی

آویزش اور ان کے تہذیبی بعد کو کم کرنے کی مختلف النوع کوششوں، دنیائے اسلام کو درپیش گوناگوں مسائل اور مروجہ سیاسی میلانات کی جھلک منعکس ہے۔

محمد اسد یہودیوں کے جانے پہچانے مبلغ خاندان کے چشم وچراغ تھے۔اسی ماحول میں ان کی چشم شعور وآگہی وا ہوئی ۔اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ صرف13سال کی عمر میں وہ عبرانی زبان میں گفتگو کرنے لگے تھے اور روانی سے اسے پڑھ بھی لیتے تھے۔آرامی زبان سے بھی وہ آشنا تھے اور تالمود اور بائبل کا عہد قدیم بآسانی پڑھ سکتے تھے۔(1)

پہلی جنگ عظیم 28جولائی 1914 کو شروع ہوئی اور 11نومبر 1918 کو ختم ہوئی۔اس وقت محمد اسد کی عمر چودہ سال تھی اور وہ ایک مدرسے میں ابتدائی تعلیم حاصل کررہے تھے ،لیکن مدرسے کی تعلیم سے انہیں دلی لگاؤ نہ تھا۔وہ گھر سے بھاگے اور آسٹریا کی فوج میں کسی اور نام سے بھرتی ہوگئے۔والد کو پتہ چلاتو فوج کے متعلقہ افسر سے رابطہ قائم کیا اور بتایا کہ یہ بچہ کم عمر ہے،اس لئے اسے فوج میں بھرتی نہیں کیا جاسکتا،چنانچہ انہیں واپس گھر بھیج دیا گیا۔(2)

اسی اثناء میں محمد اسد کے والد ویانا چلے گئے اور آپ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے ۔جنگ ختم ہونے کے بعد محمد اسد نے ویانا یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور وہاں فلسفہ، تاریخ اور آرٹ کو موضوع مطالعہ بنایا۔انہی دنوں وہ فرائڈ کے نظریات سے متاثر ہوئے،لیکن یہ ان کے ذہنی اور فکری رجحانات کی تبدیلیوں کا زمانہ تھا۔اب ان کا احساس جاگ اٹھا تھا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ تمام یورپ روحانی اضطراب کا شکار ہے اور ان لوگوں نے اپنی زندگیوں کو مادی وسائل کے حصول کے لئے وقف کررکھا ہے اور دنیاوی خواہشات کی تکمیل ہی ان کا اصلی نقطۂ نظر ہے۔اسد کو اب حق کی تلاش تھی اور اس تلاش میں وہ انتہائی بے قرار تھے۔وہ یہودیت اور عیسائیت وغیرہ مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے ،لیکن انہیں قلبی سکون اور ذہنی اطمینان حاصل نہ ہورہا تھا ۔اس بے چینی کا اثر یہ ہوا کہ یونیورسٹی کی تعلیم جاری رکھنا ان کے بس میں نہ رہا اور انہوں نے میدان صحافت میں قدم رکھنے کا فیصلہ کیا۔(3)

بالآخر خاصی تگ ودو کے بعد انہیں جرمنی کے ایک اخبار میں ملازمت مل گئی اور وہ اس کے نامہ نگار کی حیثیت سے مشرق وسطیٰ کے بلاد اسلامیہ کے حالات حاضرہ کے متعلق تجزیاتی

رپورٹیں بھیجتے نکل کھڑے ہوئے۔برسوں وہ فلسطین سے افغانستان تک اپنے فرائض منصبی ذمہ داری اور دیانتداری سے ادا کرتے رہے۔ان کی ارسال کردہ روداودں کا کچھ حصہ کتابی صورت میں منظرعام پر آگیا ہے،جس کے سرسری مطالعہ ہی سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ انہوں نے ان اسلامی ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کی روزمرہ زندگی کا کس قدر باریک بینی سے مشاہدہ کیا۔اپنی صحافتی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اس شب وروز کی بادیہ پیمائی نے انہیں مسلمانوں کی عمومی زندگی سے تو آشنا کردیا لیکن ابھی وہ امن وسلامتی کے دین یعنی اسلام کی اصل روح تک رسائی حاصل نہ کرسکے تھے۔بہرحال ان اسفار نے ان کے قلب میں نرمی اور گداز پیدا کردیا اور انہوں نے جب ام الکتاب یعنی قرآن حکیم کا بنظر غائر مطالعہ کیا تو انہیں دائرہ اسلام میں داخل ہونے میں کسی ذہنی یا جذباتی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔اس تبدیلی دین سے ان کے تمام خاندانی رشتے ناتے ٹوٹ گئے۔لیکن انہوں نے اس کی ذرہ بھر پروانہ کی اور اپنی نومسلم جرمن بیوی اور اس کے معصوم بچے کو لے کر حرمین شریفین کی جانب چل پڑے۔کہ پہنچتے ہی جرمن بیوی داغ مفارقت دے گئی۔لیکن انہوں نے پامردی سے ہر طرح کے نامساعد حالات کا مقابلہ کیا۔

اپنے قبول اسلام کے ضمن میں وہ ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں جس نے انہیں حد سے زیادہ متاثر کیا،ان واقعات میں وہ عرب معاشرت کے بنیادی اخلاقی رویوں سے ایسے متاثر ہوئے کہ جس نے ان کی بے چین روح کو قرار کی جائے پناہ تک کی راہ سجھائی۔جب وہ بذریعہ ٹرین اسکندریہ سے بیت المقدس جارہے تھے تو ان کے ہم سفر ایک عرب بدو نے کسی اسٹیشن سے روٹی خریدی۔اس نے روٹی کے دوٹکڑے کیے اور ایک میری (محمد اسد) جانب بڑھادیا،میں نے لینے میں تامل کیا تو اس نے مسکراکر کہا کہ جب ہم دونوں ہی مسافر ہیں اور ایک ہی راستے پر اکٹھے چل رہے ہیں تو یہ بیگانگی کیوں؟۔(4)اسی طرح وہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ مصر (1923)میں تھے اور جس جگہ ان کی رہائش تھی وہیں قریب میں مسجد بھی موجود تھی تو روزانہ صبح شام موذن کی آواز اور مسلمانوں کو نماز پڑھتے جاتا دیکھتے تو وہ سوچتے کہ ، یہ طے شدہ بات ہے کہ اسلامی ممالک میں ہر جگہ یہی لہجہ اور یہی آہنگ مجھے ملے گا۔اس فرق کے باوجود جو مختلف

مقامات کی مقامی زبانوں اور لہجوں میں ہوتا ہے،ایک ایسا صوتی اتحاد اور یگانگت جسے دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ مسلمانوں کا اندرونی اتحاد،یکسانیت ،اور ہم آہنگی کتنی گہری ہے اور ان کو تقسیم اور متفرق کرنے کی چیزیں کتنی مصنوعی ،سطحی اور بے اثر ہیں۔اپنے عقیدے،طرز فکر حق وباطل کی تمیز بہتر اور صحیح زندگی کے مزاج اور بناوٹ کو سمجھنے میں وہ ایک انسان کی مانند تھے مجھے پہلی بار ایسا لگا کہ میں نے ایک ایسی سوسائٹی میں رکھاہوں جس میں انسان کے درمیان رشتہ اور تعلق کی بنیاد اقتصادی مصالح یا رنگ ونسل پر نہ تھی،بلکہ اس سے زیادہ گہری مضبوط اور پائیدار چیز پر تھی، وہ زندگی کے متعلق اس مشترک نقطہ نظر کا رشتہ تھا،جس نے دو انسانوں کے درمیان سے علیحدگی اور بے تعلقی کی تمام دیواروں کو گرادیا تھا۔(5)

سعودی عرب میں اپنے پانچ سالہ قیام (1927-1932)کے دوران میں انہیں وہ سب کچھ ملا،جس کی ایک انسان خواہش کرسکتا ہے۔سب سے بڑی تو ایمان کی دولت تھی جو پروردگار نے انہیں فراوانی سے عطا کردی تھی۔لیکن اس کے ساتھ ہی پروردگار نے انہیں ایک سیلانی روح بھی دے رکھی تھی۔جو انہیں کہیں جم کرنہیں بیٹھنے دیتی تھی۔بالآخر اس سیلانی روح نے انہیں ایک بار پھر سیاحتی سفر کے آغاز پر مجبور کیا اور وہ اپنی عرب بیوی اور شیرخوار بچے کو لے کرچین ،مشرقی ترکستان وغیرہ کی سیاحت کو چل پڑے۔اس طویل سفر کا پہلا پڑاؤ ہندوستان تھا۔خوش قسمتی سے یہاں ان کی ملاقات علامہ اقبال سے ہوئی،جنھوں نے اپنی چشم بینا سے اس نومسلم اور نووارد کے قلب وذہن میں پوشیدہ فطری جوہر کو پہچان لیا اور اسے ایک ایسی راہ سجھائی ،جو اس کی زندگی میں ایک اہم موڑ ثابت ہوئی۔اقبال کے مخلصانہ مشورے کا فوری اثر یہ ہوا کہ اسد جن ممالک کی سیاحت کے لیے رخت سفر باندھ کر چلے تھے وہ کہیں کونے میں ہی پڑا رہ گیا اور انہوں نے اپنے قوائے ذہنی وباطنی دین اسلام کی خدمت اور اپنے خیر خواہ یعنی اقبال کے خواب کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے وقف کردیے۔

سید سلیمان ندوی اسد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ہم کو اپنے تمام نومسلم بھائیوں میں سے سب سے زیادہ جس شخصیت نے متاثر کیا ہے وہ آسٹریا کے ایک گمنام نومسلم لیوپولڈوائس معروف بہ محمد اسد ہیں۔وہ ایک ایسے نومسلم نظر آئے جن کو دیکھ کر مغرور پشتینی

مسلمانوں کو شرمانا چاہیے ۔وہ نہ صرف عقیدہ کے مسلمان ہیں ،بلکہ فرائض وسنن ومستحبات اور تمدن ومعاشرت تک میں مسلمان ہیں۔ یہ وہ یورپین ہیں جو نہ صرف مسیحی عقیدہ کے بلکہ یورپین تمدن کے بھی مخالف ہیں۔(6)بقول مولانا مودودی ......دورِ جدید میں اسلام کو جتنے غنائم یورپ سے ملے ہیں، ان میں محمد اسد سب سے قیمتی ہیرا ہیں۔ اور اس ہیرے کو جس جوہری نے سب سے پہلے پہچانا، وہ علامہ اقبال تھے۔(7)جب اسد نے برصغیر ہی میں مستقل قیام کا فیصلہ کرلیا تو اقبال کو ان کے لیے کوئی ڈھب کی ملازمت تلاش کرنے کی فکردامنگیر ہوئی۔انہوں نے مقدور بھر کوشش کی کہ انہیں اسلامیہ کالج (لاہور) کے شعبہ اسلامیات کا سربراہ مقرر کردیا جائے لیکن وہ بعض وجوہ کے سبب کامیاب نہ ہوسکے۔ابتدائی ملاقاتوں میں اقبال نے اسد کو صحیح بخاری کے انگریزی ترجمہ وتشریح کی تجویز پیش کی ،جس کو اسد نے قبول کرتے ہوئے اس کو ایک بڑے منصوبے کی حیثیت سے شروع کردیا۔صحاح ستہ کے کسی مجموعہ احادیث کو انگریزی میں منتقل کرنے کی یہ اولین کوشش تھی۔ترجمہ کے علاوہ اس کے طباعتی اخراجات کے لئے اقبال نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا اوراکبر حیدری کے توسط سے نظام دکن سے خاصی معقول رقم کا بندوبست ہوگیا۔اس کے بعدترجمہ وطباعت کے مراحل بلارکاوٹ تیز رفتاری سے آگے بڑھنے لگے۔

انہی دنوں اقبال کی تجویز پر دارالسلام (جمال پور، پٹھان کوٹ) کے قیام کا مسئلہ زیرِ غور تھااور اقبال چاہتے تھے کہ ان کے اس brain-child کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اسد ہی کو سونپی جائے ،لیکن حیدرآباددکن کے انگریزی سہ ماہی مجلہ **اسلامک کلچر** کا مدیرمقرر ہونے کی وجہ سے انہیں اقبال سے معذرت کرنا پڑی چنانچہ مولانا مودودی کو اس عہدے کے لئے نامزد کردیا گیا۔روز بروز بڑھتی ہوئی علالت کے باعث اقبال جمال پور میں قائم ہونے والے ادارے کے لیے زیادہ فعال کردار ادا نہ کرسکے ،لیکن اسدکی مشاورت اور اولین رکن ہونے کی حیثیت سے ہونے والی پیش رفت سے انہیں مطلع کرتے۔ساتھ ساتھ لاہور میں مقیم جرمن ڈاکٹروں سے اقبال کا علاج بھی کراتے رہے،لیکن ایک روز اپنے ہی قائم کردہ پریس میں مصروف کار تھے کہ انہیں اقبال کے انتقال پر ملال کی خبر ملی تو انہیں یوں محسوس ہوا جیسے اس کے گرد تاریکی کے بادل چھاگئے ہوں۔(8)

اقبال تو اس دارِ فانی سے رخصت ہوگئے ،لیکن انہوں نے اسد کو جو راہ سجھادی تھی،ایک تلمیذ رشید کی طرح وہ اس پر گامزن رہے ۔ اقبال کی فرمائش پر انہوں نے صحیح بخاری کا جو انگریزی ترجمہ شروع کیا تھا، وہ اسی کو آگے بڑھانے میں مصروف رہے۔ان کا ارادہ اسے چالیس حصوں میں مکمل کرنے کا تھا،لیکن ابھی اس کے پانچ حصے ہی اشاعت پذیر ہوئے تھے کہ دوسری جنگ عظیم چھڑگئی اور انہیں گرفتار کرکے ہندوستان میں مقیم ہزاروں جرمن اور اطالوی قیدیوں کے کیمپ میں نظر بند کردیا گیا۔(یکم ستمبر 1939)ان کے نجی پریس کو تالا لگادیا گیا ۔صحیح بخاری کے ترجمہ کے مسودات وہیں پڑے رہے۔بیوی اور بیٹے نے چودھری نیاز علی خان کے گھر پناہ لی۔طویل نظر بندی کے بعدانہیں جب رہا کیا گیا (14اگست،1945)تو ہندوستان کا سارا منظر نامہ ہی تبدیل ہو چکا تھا۔وہ چاہتے تو صحیح بخاری کے ادھورے کام کو دوبارہ شروع کرسکتے تھے، لیکن اب حالات کچھ ایسا رخ اختیار کرچکے تھے کہ انہوں نے اس منصوبے کو موخر کردیا اوراقبال نے برصغیر کے مسلمانوں کے لئے جس علیحدہ مملکت کا خواب دیکھا تھا، اس کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کامصمم ارادہ کرلیا۔وہ جیل کے قریب واقع نظر بندوں کے کیمپ سے رہا ہوتے ہی ڈلہوزی (موجودہ ہماچل پردیش ،بھارت) پہنچے اور آتے ہی عرفات کے نام سے سہ ماہی انگریزی مجلہ کا اجراء کیا۔جولائی 1947 تک اس مجلہ کے اکثر مضامین اسد ہی کے تحریر کردہ تھے۔ان مضامین کے سرسری مطالعہ سے ہی اس بات کا علم ہوجاتا ہے کہ اقبال نے اسد کو جس منزل کی نشاندہی کی تھی ،وہ انہیں اب بالکل سامنے دکھائی دے رہی تھی۔انہوں نے اس مجلہ کا جو نام رکھایعنی عرفات اس میں بھی اقبال کی سوچ کارفرما ہے یعنی اتحاد بین المسلمین یا پاسبانی حرم کے لئے کرہ ارض پر بسنے والے تمام مسلمانوں کا یکجا ہونا۔ان کی نظر میں یہ صرف ایک ایسا وسیع وعریض میدان نہیں ہے، جہاں حجاج کرام اکٹھے ہوتے ہیں ،بلکہ یہ ایک علامت ہے ،پوری دنیا کے مسلمانوں کی باہمی اخوت، بھائی چارے ، یگانگت اور ایک جگہ اکٹھے رہنے کی۔

محمد اسداپنے دیرینہ دوست مولانا مودودی، ان کے چند رفقاء اور دیگر ساتھیوں کو بذریعہ ٹرک جمال پور، پٹھان کوٹ سے بحفاظت لاہور لے آئے۔ یہاں پہنچتے ہی انہوں نے نئی

سطح پر اور پھر حکومت پنجاب کے قائم کردہ محکمہ احیائے ملت اسلامیہ کے سربراہ کی حیثیت سے نئی اسلامی مملکت کے دینی نظریاتی اور آئینی تقاضوں کو پورا کرنے پر فوری توجہ دی۔ ستمبر 1947ء میں انہوں نے ریڈیو پاکستان (لاہور سینٹر) سے جو سات تقریریں نشر کیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ استحکام پاکستان کے لیے کن عوامل کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ اپنے محکمہ سے انہوں نے جس مجلہ کا اجراء کیا، اس کا نام بھی عرفات رکھا۔ اس کا ایک ہی شمارہ شائع ہوا اور اس میں بھی انہوں نے آئین سازی پر ایک طویل اور فکر انگیز مقالہ لکھا، جس میں ایک نئے اسلامی ملک کی بنیادی دستاویز یعنی آئین کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ بدقسمتی سے ہم اس خاکے میں رنگ نہ بھر سکے اور برسوں یہ سرزمین بے آئین رہی، حالانکہ محمد اسد چاہتے تھے کہ اس اہم مسئلہ کو ایک ڈیڑھ برس میں نپٹا دیا جائے۔

محمد اسد اگر مذکورہ بالا محکمہ میں کچھ دیر اور سربراہ رہتے تو شاید یہ کام بھی کر جاتے، لیکن پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خاں نے انہیں فوراً وزارت خارجہ میں ایک اہم عہدے پر تعینات کر دیا اور پھر انہیں اقوام متحدہ میں بطور مختار کل سفارت کار امریکہ بھجوا دیا گیا۔ یہاں اس بات کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا کہ وزارت خارجہ میں ملازم ہونے تک اس کے پاس ان کے آبائی ملک یعنی آسٹریا کا پاسپورٹ تھا لیکن جب انہیں ایک سرکاری وفد میں نمائندہ پاکستان کی حیثیت سے ایک اہم ذمہ داری سونپ کر مشرق وسطی کے اسلامی ممالک بھیجا جانے لگا تو انہوں نے اپنے افسران بالا کو متوجہ کیا کہ ان کے پاس ابھی تک آسٹرین پاسپورٹ ہے اور انہیں یہ عجیب سا محسوس ہوتا ہے کہ اس پاسپورٹ پر پاکستان کی نمائندگی کی جائے۔ چنانچہ لیاقت علی خان کی خصوصی ہدایت پر انہیں جو پاسپورٹ جاری کیا گیا۔ اس پر پاکستانی شہری درج تھا اور یہ پہلا پاسپورٹ تھا جو تشکیل پاکستان کے بعد کسی شہری کو دیا گیا۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اسد پہلے شخص ہیں، جن کو پاکستانی پاسپورٹ جاری ہوا، اور انہوں نے بھی اس کی یوں قدر کی کہ مرتے دم تک اپنی اس پاکستانی شہریت سے دستبردار نہیں ہوئے۔

وزارت خارجہ میں ایک اعلیٰ افسر کی حیثیت سے انہوں نے نوزائیدہ مملکت پاکستان کے دیگر اسلامی ممالک بالخصوص سعودی عرب سے دوستانہ تعلقات استوار کرنے میں جو خدمات

سرانجام دیں، وہ لائق صد تحسین ہیں۔ افسوس کہ وہ زیادہ دیر تک اس ملک سے اپنے سرکاری تعلق کو برقرار نہ رکھ سکے، ان کے اردگرد سازشوں اور بے بنیاد افواہوں کا ایک ایسا جال بچھا دیا گیا، کہ اس سے رہائی کے لیے ان کے پاس سوائے مستعفی ہونے کے اور کوئی متبادل راستہ نہ رہا۔ رہی سہی کسر پنجاب یونیورسٹی کے ارباب بست وکشاد نے پوری کر دی، جن کی دعوت پر وہ لاہور میں ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کے انعقاد کے لیے پون برس تک انتھک محنت کرتے رہے اور ان کی امریکی بیوی پولا حمیدہ اسد (م۔2007) بطور سیکریٹری ان کے ساتھ بلا تنخواہ کام کرتی رہیں۔ تعجب ہے کہ جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے اور مختلف ممالک کے مدعوین کو ہوائی ٹکٹ بھی ارسال کر دیئے گئے تو انہیں بیگم سمیت استعفیٰ دینے پر مجبور کر دیا گیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ جب اس کانفرنس کی روداد اور پیش کردہ مقالات کتابی صورت میں شائع ہوئے (1960) تو اس میں محمد اسد کا کہیں نام تک موجود نہ تھا۔ ان کے محبوب ترین ملک یعنی پاکستان کے اس طرز سلوک نے انہیں چونکا تو دیا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی آرزوؤں کے اس مسکن سے ایام جوانی میں جو جذباتی تعلق قائم کیا تھا، اس میں فرق نہیں آنے دیا۔ ادھر سے وقفے وقفے سے گرم ہوائیں تو چلتی رہیں، لیکن محمد اسد نے ان کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور اس خطے سے اپنی محبت کی شمع کو روشن رکھا۔ دیکھا جائے تو وہ حقیقی معنوں میں محسن پاکستان تھے اور انہیں بلاشبہ Intellectual Founder of Pakistan کہا جا سکتا ہے۔

پولا حمیدہ اسد اپنی ایک غیر مطبوعہ تحریر میں لکھتی ہیں:

انہیں پاکستان دل وجان سے عزیز تھا۔ وہ تصور پاکستان سے محبت کرتے تھے، حالانکہ اس ملک نے ان کے ساتھ معاندانہ رویہ اپنایا، لیکن وہ کبھی اس طرز سلوک کے شاکی نہیں رہے، وہ پاکستان کے پہلے شہری تھے اور آخری عمر تک انہوں نے پاکستان کے ساتھ گہرا تعلق قائم و دائم رکھا۔

پاکستان کے علاوہ اسد اگر کسی اور ملک سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے تو وہ سعودی عرب تھا۔ کیونکہ بقول پولا صاحبہ پاکستان سے ان کی محبت کا تعلق دماغ سے تھا اور سعودی عرب سے دل کا۔ ان کی بہت سی یادیں اس ارض پاک سے جڑی ہوئی تھیں۔ ان کی پہلی نومسلم جرمن

بیوی کا مکہ میں انتقال ہوا (1927) اور اسے وہیں دفن کر دیا گیا۔ اسد دوسری بیوی منیرہ بنت حسین (م۔1976) کا تعلق نجد کے ایک قبیلہ سے تھا۔ جس کے بطن سے مدینے میں طلال کی ولادت ہوئی (1932) سعودی عرب کے بانی شاہ عبدالعزیز بن سعود (م۔1953) انہیں اپنا بیٹا سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے وہاں کے شاہی خاندان بالخصوص شاہ فیصل نے ان کی عزت افزائی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ سعودی عرب میں اپنے پانچ سالہ قیام میں متعدد بارسوخ اشخاص سے ان کے دوستانہ مراسم تھے، لیکن ان سب سہولتوں اور آسائشوں کے علی الرغم انہیں اس ملک سے فطری لگاؤ تھا۔ جب بھی وہ یہاں آتے مغربی لباس پہننا چھوڑ دیتے عربی زبان ہی میں گفتگو کرتے اور یہاں کے طرز زندگی کو اپنا لیتے۔ پولا حمیدہ اسد نے تو ایک جگہ لکھا ہے کہ ان کی روح بدوی تھی اور صحرا کی تا حد نظر پھیلی ہوئی دنیا میں خود کو یوں محسوس کرتے، جیسے اپنے ہی گھر میں مقیم ہیں۔ جوانی میں اسد جرمنی کے ایک اخبار Frankfurter (Allgemeine) Zeitung میں بطور نمائندہ برائے مشرق وسطی ملازم رہے۔ اسی اخبار کے معتبر لکھاری کارل گیونٹر سیمون نے ان کی وفات سے چار سال قبل دونوں میاں بیوی کا انٹرویو لیا۔ سیمون کے ایک سوال کے جواب میں پولا صاحبہ نے کہا:

(9) ۔He is a Bedouin, who have always wandered.

تصنیفات:

Road to Makkah (Published in 1954)

یہ کتاب بارہ ابواب پر مبنی ہے اور وہ درج ذیل ہیں،

پیاس، آغاز شاہراہ، ہوائیں، آوازیں، روح و جسم، خواب، درمیان، اجنہ، فارسی خطوط، دجال، جہاد، اختتام شاہراہ

The Message of the Quran

Translation and Commentry on Sahih Bukhari(Five Parts)

This Law of Ours

،Islam at the Crossroads (Published in 1934)

یہ کتاب 141 صفحات اور آٹھ ابواب پر مشتمل ہے اور وہ آٹھ ابواب یہ ہیں۔

1. The Open Road of Islam; اسلام کا کھلا راستہ

2. The Spirit of the West; مغرب کی روح

3. The Shadow of the Crusades; صلیبی جنگوں کے سایہ

4. About Education; کچھ تعلیم کے بارے میں

5. About Imitation; کچھ تقلید کے بارے میں

6. Hadith and Sunnah; حدیث اور سنت

7. The Spirit of Sunnah; سنت کی روح

8. Conclusion.

9.The Principles of State and Government In Islam

ہم پاکستان کیوں بنانا چاہتے ہیں؟ (مجلہ عرفات، مئی 1947)

پاکستان کی انفرادیت، قرارت اور خودفریبی، فیصلہ کی گھڑی آن پہنچی، ہمارا اخلاقی قدوقامت، پاکستان کی تعبیر قیادت اور عوام میں عدم یکسانیت۔ اس مضمون کے بنیادی نکات ہیں۔ (10)

اسلام کیا کہتا ہے؟ (شاہکار میگزین مئی 2001)

انسان اور کائنات کا باہمی تعلق، مذاہب کا باہمی تعلق، مذہب اور انسان دوستی، مذہب اور معاشرہ جیسے موضوعات پر بنیادی سوالات اٹھائے ہیں اور ان کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ (11)

اصول دستور اسلامی (مجلہ عرفات، مارچ 1947)

مضمون ہذا میں جن اہم ذیلی موضوعات پر مصنف نے گفتگو کی ہے وہ یہ ہیں، دستوری